© rasailojaraid.com

ڈاکٹر خواجہ معین الدین جمیل اسلامیہ یونیورسٹی
بہاول پور

مقالات

قرآنِ حکیم اور نظریۂ ارتقاء

عہدِ حاضر میں بہت سارے مغربی مفکرین نے فلسفۂ ارتقاء کو پیش کیا ہے۔ عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ عمل ارتقاء کی دریافت کا سہرا اس زمانے کے سائنس دانوں اور مفکرین کے سر ہے حالانکہ زمانہ قدیم میں بعض یونانی مفکرین نے اور ان کے بعد قرآنی تعلیمات کے زیرِ اثر مسلم فلاسفر نے بڑے بصیرت افروز دلائل سے عمل ارتقاء کو سمجھانے کی کوشش کی ہے۔

اس نظریہ پر غور کرنے کے لیے ضروری ہے کہ حسبِ ذیل تین پہلوؤں سے جائزہ لیا جائے۔

۱۔ ایک یہ کہ اس کے متعلق ارتقائی مفکرین اور سائنس دانوں نے کن خیالات کا اظہار کیا ہے؟

۲۔ دوسرے یہ کہ قرآن حکیم سے اس مسئلہ کے حل پر کیا روشنی پڑتی ہے؟

۳۔ تیسرے یہ کہ مولانا جلال الدین رومی نے اس نظریہ کو کس طرح پیش کیا ہے؟

ہم نے اپنی کتابوں ....

.... میں مذکورہ بالا دو پہلوؤں پر تفصیل سے بحث کی ہے۔ مختصر طور پر اتنا کہا جا سکتا ہے کہ اگرچہ عہدِ قدیم میں یونانی فلاسفر کی تحریریں بہت مبہم ہیں۔ الہامی مذاہب ہندو مت، بدھ مت وغیرہ میں تناسخ کے نظریات اس کے بالکل متناقض ہیں۔ یہودیت اور عیسائیت سے بھی اس نظریہ کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کوئی خاص تائید نہیں ہوتی۔ صرف مسلم مفکرین ہی نے قرونِ وسطیٰ میں ایسے نکات پیش کیے ہیں جن پر نہ عہدِ ماضی میں غور ہوا، اور نہ عہدِ حاضر میں۔ توقع نہیں کہ جب تک ان پر روحانی اور سائنسی نقطۂ نظر سے بحث نہ کی جائے ہم کسی صحیح نتیجہ پر پہنچ سکیں گے۔ بلاشبہ عہدِ حاضر میں اس نظریہ پر بہت کچھ لکھا گیا ہے لیکن یہ ماننا پڑے گا کہ اس سے مسئلہ کے حل میں کوئی خاص مدد نہیں ملی۔ ضرورت ہے کہ مسلم مفکرین کے افکار کو سامنے رکھ کر اس پر مزید غور و فکر ہو۔

نظریہ ارتقاء سے متعلق ہم عام طور پر پڑھتے ہیں کہ زندگی کی ابتداء ساحل سمندر کے پایاب پانیوں سے ہوئی۔ بالائی سطح پر کائی نمودار ہوئی، پھر اس کائی کے نیچے سے حرکت پیدا ہوئی، پھر اس۔ سے نباتات کی مختلف شکلیں نمودار ہوئیں۔ جرثومۂ حیات ترقی کر کے ادنیٰ حیوان بنا، پھر یہ حیوان ترقی کرتے کرتے پر دار اور بازوؤں والے حیوانات میں تبدیل ہوا، پھر اس نے فقری جانوروں کی شکل اختیار کی، پھر انسان۔ کے مشابہ حیوان بنا، اس کے بعد انسان اول ظہور میں آیا جس میں عقل و فہم اور تکلم کی علامتیں موجود تھیں۔ یہاں بتایا گیا ہے کہ ۶۰ کروڑ سال پہلے یک خلوی جانور پیدا ہوئے، مزید ۲ کروڑ سال بعد سہ خلوی جانور نمودار ہوئے، ۴۵ کروڑ سال قبل پتوں کے بغیر پودے پیدا ہوئے۔ اس دور میں ریڑھ کی ہڈی والے جانور ظہور میں آئے۔ ۴۰ سال قبل مچھلیوں اور کنکھوروں کا دور تھا۔ ۷ کروڑ سال پہلے عظیم الجثہ جانوروں کا خاتمہ ہوگیا، ۴ کروڑ سال پہلے ہاتھیوں، گھوڑوں اور بندروں کی پیدائش ہوئی، ½ ۲ کروڑ سال پہلے بے دم بوزنہ سیدھا ہو کر چلنے لگا۔ یہی وہ بندر تھا جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ انسان کا جدِ اعلیٰ تھا۔ آج سے ستر لاکھ سال پہلے انسان کی پہلی نسل پیدا ہوئی۔ مزید ۵۰ لاکھ سال بعد یعنی آج سے ۲۰ لاکھ سال پہلے باشعور انسانی نسل پیدا ہوئی، جس نے پتھر کو بطور ہتھیار استعمال کیا۔ مزید دو لاکھ سال بعد اس میں ذہنی ارتقاء ہوا، اور انسانی نسل نے غاروں میں رہنا شروع کیا۔ (محدث اکتوبر، نومبر ۸۲ء)

یہ دیکھ کر خوشی ہوتی ہے کہ اب ہمارے ملک میں بھی اس قسم کے مشکل علمی مباحث کا آغاز ہو چکا ہے، حال ہی میں مولانا عبدالرحمٰن کیلانی نے رسالہ محدث میں نظریہ ارتقا سے متعلق اپنا ایک مضمون شائع کیا ہے، اگرچہ ان کا روئے سخن طلوعِ اسلام کے پرویز صاحب کی طرف ہے جنہوں نے اپنا الگ نظریہ ارتقاء پیش کیا ہے۔ اگر قرآن حکیم سے اس نظریہ کی تائید و

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تردید کی کوشش نہ کی گئی ہوتی تو شائد ہی ان خیالات پر تبصرہ کی ضرورت محسوس ہوتی۔ کیلانی صاحب نے ڈارون کے حسب ذیل چار اصولوں سے بحث کی ہے جو اس کے نظریۂ ارتقاء کی اساس ہیں۔

۱۔ تنازع للبقاء (STRUGGLE FOR EXISTENCE) اس سے مراد زندگی کی بقاء کے لیے کشمکش ہے۔ وہ بتاتا ہے کہ جانداروں میں انواع و افراد اپنی بقا کے لیے ایک دوسرے سے برسرپیکار رہتے ہیں۔ ان میں بالآخر وہ جاندار باقی رہ جاتے ہیں جو زیادہ طاقتور ہوتے ہیں، کمزور تباہ ہو جاتے ہیں۔

۲۔ انتخاب طبیعی (NATURAL SELECTION) یہ وہ عمل ہے جس میں فطرت خود طاقتور انواع و افراد کو باقی رکھتی ہے اور کمزوروں کو ختم کر دیتی ہے۔ طاقتور کی بقا اس لئے ممکن ہے کہ وہ اپنے آپ کو خطرات سے محفوظ کر لیتے ہیں۔

۳۔ ماحول سے ہم آہنگی (ADAPTATION) یہ عمل مطابقت ہے۔ اگر کوئی جاندار ایسے ماحول میں زندگی گزارنے پر مجبور ہے جو اس سے ہم آہنگ نہ ہو تو جاندار اپنے آپ کو ماحول سے مطابق بنانے کی کوشش کرتا ہے۔ مثلاً اگر کوئی گوشت خور جانور ایسے ماحول میں رہنے پر مجبور ہو جائے جہاں نباتات پر زندگی کا انحصار ہے تو وہ یا تو رفتہ رفتہ سبزی خور جانوروں سے مشابہت پیدا کرے گا یا اس میں ناکامی کی صورت میں تباہ ہو جائیگا۔

۴۔ قانون وراثت (LAW OF INHERITANCE) ماحول سے مطابقت پیدا کرنے کی کوشش میں جو نمایاں تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں وہ نسلاً بعد نسلٍ ان کے بچوں میں منتقل ہوتی ہیں۔ جب یہ زیادہ ہو جاتی ہیں تو رفتہ رفتہ نوع کے اختلافات کا سبب بن جاتی ہیں۔

کیلانی صاحب نے اہل مذہب کی ترجمانی کرتے ہوئے نظریہ ارتقاء پر حسب ذیل اعتراضات کیے ہیں۔

۱۔ یہ کہ اس نظریہ سے پتہ نہیں چلتا کہ زندگی کی ابتداء کیسے ہوئی ہے

۲۔ یہ کہ ارتقاء کا کوئی ایک واقعہ بھی آج تک انسان کے مشاہدہ میں نہیں آیا جس سے معلوم ہو کہ کسی فرد یا نوع کا ارتقاء ہوا ہے۔

۳۔ جن انواع کے متعلق بتایا جاتا ہے کہ ادنیٰ سے اعلیٰ درجہ پر پہنچی ہیں (جیسے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بندر اور انسان) ان کی درمیانی کڑیاں موجود نہیں ہیں۔ مثال کے طور پر فقری اور غیر فقری جانوروں کی درمیانی کڑیاں موجود نہیں۔

۴۔ بتایا جاتا ہے کہ انسان ابتدا میں کمزور اور ناقص العقل تھا۔ اگر یہ حقیقت ہے تو جنگل کے درندوں میں اس کا نشوونما ناممکن ہے۔ یہ نہیں بتایا گیا کہ انسان اس کمزوری اور بے عقلی کے باوجود تنازع للبقا میں کس طرح کامیاب ہوا؟

۵۔ ڈارون نے نظریہ ارتقاء کے جو اصول بتلائے ہیں وہ مشاہدات سے صحیح ثابت نہیں ہوئے۔ مثال کے طور پر کہا جاتا ہے کہ جن اعضاء کا استعمال نہیں ہوتا وہ زائل ہو جاتے ہیں۔ ہم جانتے ہیں یہودیوں اور مسلمانوں میں عرصہ دراز سے بچوں کی ختنہ کی جاتی ہے۔ لیکن کبھی یہ دیکھنے میں نہیں آیا کہ مختون بچہ پیدا ہوا ہو۔

یہاں یہ بات ہم پر واضح رہنا چاہیئے کہ مغربی مفکرین الہامی تعلیمات سے بڑی حد تک ناواقف ہوتے ہیں۔ ان حالات میں اگر انہیں ابتدا یا انتہائے کائنات کا علم نہ ہو تو ان سے یہ توقع رکھنا بے سود ہے کہ وہ زندگی کی ابتداء یا انتہاء پر روشنی ڈال سکیں گے۔ وہ تو صرف اپنی تحقیقات پر بھروسہ کرتے ہیں اور ان سے اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ دنیا میں زندگی کا ارتقاء ہوا ہے۔ جب ہم اسلامی تعلیمات کا مطالعہ کرتے ہیں تو ان سے بھی اصول ارتقاء کی نشاندھی ہوتی ہے۔ یہ اعتراض غلط ہے کہ ارتقاء کا کوئی ایک واقعہ بھی آج تک انسان نے مشاہدہ نہیں کیا۔ مشرق و مغرب کے ارتقائی مفکرین میں شاذ ہی کسی نے کہا ہے کہ ارتقاء اسی صورت میں جاری ہے۔ مسلمانوں کے عقیدہ کے مطابق تو ان چھ ایام اللہ یا ادوار زمانی میں ارتقاء کے تمام مراحل طے ہو گئے تھے۔ اہل مغرب جب ایام اللہ کو فراموش کر دیتے ہیں تو ان کی دشواریوں میں بے حد اضافہ ہو جاتا ہے۔

یہ اعتراض صحیح ہے کہ ارتقائی مفکرین انواع کی درمیانی کڑیوں کا پتہ نہیں بتاتے۔ ان کا یہ کہنا تو ان کی نادانی کا ثبوت ہے کہ "درمیانی کڑی کا جب کام پورا ہو جاتا ہے تو وہ از خود غائب ہو جاتی ہے"۔ اس ناواقفیت کا بڑا سبب یہ ہے کہ اس عمل ارتقاء کا صحیح طور پر علم نہیں۔ اگر وہ اس نظریہ پر اپنی توجہ مبذول کرتے کہ ہر نوع کا علیحدہ علیحدہ ارتقاء ہوا ہے تو شاید اس مسئلہ کے سمجھنے میں انہیں آسانی ہو جاتی۔ جب تک انسان کی جمادی زندگی کا خاتمہ نہیں ہوگا، اس کی نباتی زندگی کا نشوونما نہیں ہوگا۔ اسی طرح جب تک انسان کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نباتی زندگی کا خاتمہ نہیں ہوجاتا اس وقت تک انسان کی حیوانی زندگی کا ظہور نہیں ہوگا۔ اسی طرح جب تک انسان کی حیوانی زندگی فنا نہیں ہوجاتی اس وقت تک انسانی وجود منصۂ شہود پر نہیں آتا۔

اسی طرح ہر حیوانی یا نباتی زندگی کا حال ہے۔ کوئی درمیانی کڑی جسے حیوان انسانی کہا جائے ہوتی ہی نہیں۔

یہ خیال بھی غلط ہے کہ کمزور اور ناقص العقل انسان کی درندوں میں پرورش ہوئی ہے۔ انواع کا پیدا کرنے والا، ہر نوع کی اسی کے ماحول کے مطابق پرورش اور نشو ونما کرتا ہے۔ بہر حال یہ تسلیم نہیں کیا جا سکتا کہ آدم وحوا کو جنت سے ہیلی کوپٹر کے ذریعہ دنیا میں بھیج دیا گیا تھا۔ یہ سمجھنے کی کوئی وجہ نہیں کہ انسان کی تخلیق اس طرح نہیں ہوئی جیسے دوسرے جانداروں کی۔ لیکن انسانوں اور دیگر حیوانات میں فرق صرف اتنا ہے کہ انسان کی دوسری دنیا یعنی باغ عدن میں بھی تخلیق ہو چکی تھی۔ وہ کیا واقعات تھے جن کی وجہ سے آدم وحوا کو جنت سے نکلنا پڑا؟ اس دنیا میں ان کے ھبوط سے کیا مراد ہے، اور کس طرح ارتقاء کے ذریعہ انسان اس حالت پر پہنچا ہے جیسی اب اس کی ہے۔ یہ بڑے اہم اور طویل مباحث ہیں۔ ان مسائل کو فلسفہ دین اور سائنس کی مدد ہی سے سمجھایا جا سکتا ہے۔

قرآن حکیم کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ وہ جنت جس میں آدم وحوا کی تخلیق ہوئی تھی اس مادی دنیا سے بالکل مختلف شئے نہ تھی۔ ان دونوں دنیاؤں میں بڑی واضح مشابہتیں ہیں۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ جنتیوں کو غذائیں بھی ایسی ہی دی جائیں گی جو اس دنیا کی غذاؤں سے ملتی جلتی ہوں گی۔ ان دونوں دنیاؤں میں دیگر باتوں کے علاوہ صرف اتنا فرق ہے کہ ان میں سے ایک ابدی ہے اور دوسری عارضی۔

غلط فہمی اس لیے ہوتی ہے کہ قرآن حکیم میں تخلیق آدم سے متعلق جس بات کا ذکر ہے وہ اس مادہ سے مشابہ ہے جو اس دنیا میں ہمارے تجربہ میں آتا ہے۔ مثلاً ایک جگہ کہا گیا ہے کہ اس کی خلقت تراب یعنی خشک مٹی سے ہوئی ہے، دوسری جگہ ارض (مٹی)، تیسری جگہ طین (گیلی مٹی)، چوتھی جگہ طین لازب (لیسدار مٹی) پانچویں جگہ حماءٍ مسنون (بودار کیچڑ)، چھٹی جگہ صلصال اور صلصال کالفخار (مٹی سے بجنے والی ٹھیکری) جیسی اصطلاحات سے کام لیا گیا ہے۔ جن کے بارے میں گمان غالب ہے کہ سیارہ ارض سے منگایا گیا تھا ان سے کام لیکر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آدم کو وجود بخشا گیا۔ جب آدم کی تخلیق مکمل ہو گئی تو فرشتوں سے کہا گیا وہ انہیں سجدہ کریں۔

" وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ط لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ط قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ط قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ "

" ہم نے تمہیں پیدا کیا پھر تمہاری شکل وصورت بنائی، پھر فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کریں تو سوائے ابلیس کے سب نے سجدہ کیا۔ اس نے سجدہ نہیں کیا، اللہ نے پوچھا میرے حکم کے بعد تجھے کس چیز نے سجدہ کرنے سے باز رکھا؟ وہ بولا میں اُس (آدم) سے بہتر ہوں کیوں کہ مجھے تو نے آگ سے پیدا کیا ہے اور اس کو مٹی سے " (الاعراف : ۱۱-۱۲)

ابلیس لعین یہ سب جانتا تھا اور اسے ناز تھا کہ وہ خود ناری مخلوق ہے اور نار کا رتبہ مٹی سے بلند ہے۔ فرشتوں کے ساتھ اسے بھی آدم کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا تھا لیکن محض اس خیال سے کہ وہ رتبہ میں آدم سے بلند ہے، اس نے اس سے انکار کر دیا۔ حالانکہ خداوند کریم نے اس پر واضح کر دیا تھا کہ آدمؑ کو نہ صرف علم الاسماء سے نوازا گیا تھا، ان کی تخلیق میں .... فن کاری کو بھی دخل تھا۔ سجدہ کرنے سے انکار کے بعد اللہ نے اس سے باز پرس کی اور پوچھا۔

قَالَ يٰٓاِبْلِيْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ (صٓ : ۷۵)

" اے ابلیس پھر جس چیز (یعنی بندہ) کو میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے کونسی بات ہے کہ تجھے اس کے آگے سجدہ کرنے سے روکتی ہے؟ "

اس گفتگو سے ظاہر ہے کہ تخلیق آدم کا ذکر اس دنیا سے متعلق نہیں بلکہ اس دنیا سے متعلق ہے جہاں آدم اور حوا کو ان کی تخلیق کے فوراً بعد رکھا گیا تھا۔ لیکن جب آدم کو شجر ممنوعہ کا پھل کھانے کے بعد جنت سے نکال دیا گیا تھا تو ان پر کیا بیتی؟ اس کا حال اس کا بیان دنیا میں ارتقائے انسانی سے متعلق ہے جس کی وضاحت خاص طور پر مولانا روم نے اپنی مثنوی میں کی ہے۔ یہ وہ وقت تھا جب کہ آدمؑ کا وجود نہ اس دنیا میں تھا اور نہ کسی اور دنیا میں۔ اسی لیے کہا گیا ہے:

" هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا۔ " (الدھر: ۱)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"بے شک انسان پر زمانہ (کے وجود) میں (آنے سے پہلے) ایک ایسا وقت بھی آچکا ہے جب کہ وہ کوئی قابلِ ذکر چیز نہ تھا۔"

ھبوط آدمؑ کے عرصۂ دراز کے بعد جب انسان کا جمادی زندگی سے نباتی زندگی میں ارتقاء ہوا تو اس کا حسب ذیل الفاظ میں ذکر کیا گیا ہے:

"وَاللّٰهُ أَنْبَتَكُمْ مِّنَ الْأَرْضِ نَبَاتًا" (نوح: ۱۷)

"اللہ نے تم کو زمین سے نبات کی طرح پیدا کیا۔"

بلاشبہ نبات کا لفظ عربی زبان میں بڑھنے اور پرورش پانے کے معنی میں بھی آیا ہے مگر یہاں اس کے یہ معنی لینا موزوں نہ ہوگا کیونکہ جنت میں "ٹن سے بجنے والی مٹی" کی یہ صفت نہیں ہوتی۔ اس آیت کریمہ میں تو صرف یہ بتلایا گیا ہے کہ ابتدائے تخلیق میں انسانی وجود نہ جمادی زندگی سے مختلف تھا اور نہ نباتی زندگی سے پھر مدارج ارتقاء کا حسب ذیل آیات میں بہت ہی مختصر الفاظ میں ذکر کیا گیا ہے:

"وَقَدْ خَلَقَكُمْ أَطْوَارًا" (نوح: ۱۴)

"اس نے تم کو طرح طرح کی حالتوں میں پیدا کیا۔"

"لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَن طَبَقٍ ۝ فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ" (الانشقاق: ۱۹-۲۰)

"تم کو وہ درجہ بدرجہ ایک حالت سے دوسری حالت پر لے جاتا ہے، پھر ان لوگوں کو کیا ہو گیا کہ وہ ایمان نہیں لاتے۔"

اس بیان سے مراد نہ صرف جمادی، نباتی، حیوانی اور انسانی زندگی ہے بلکہ انسانیت سے اعلیٰ مدارج کی طرف بھی اشارہ ہے یہ وہ مدارج ہیں جو مومنین کو دوسری دنیا میں حاصل ہوں گے۔

بعض حضرات نے حسب ذیل آیات سے ارتقائے انسانی کے مسائل کو حل کرنے کی کوشش کی ہے:

۱۔ فَقُلْنَا لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ۔ (البقرۃ: ۶۵)

"ہم نے ان (بدکردار اسرائیلیوں) سے کہا کہ ذلیل بندر بن جاؤ۔"

اس سے مطلب یہ نکالا گیا ہے کہ انسان بندر کی اولاد نہیں بلکہ بندر انسان کی اولاد ہے۔ اس غلط تصور کی تائید میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ کائنات میں رجعت قہقری کی مثالیں بھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پائی جاتی ہیں۔ کیلانی صاحب کا خیال ہے کہ ان اسرائیلیوں کے ذہن تو پہلے ہی سے بندروں جیسے تھے لیکن حکم خداوندی سے ان کی جسمانی حالت بھی بدل دی گئی اور وہ بندر بن گئے۔

(محدث اکتوبر ۱۹۸۲ء صفحہ ۲۴)

واضح رہے کہ راہ ارتقاء میں اگر عضو تمیں ترقی نہ کریں تو اسی مقام پر رک جاتی ہیں لیکن کوئی رجعت قہقری نہیں ہوتی البتہ ذہنی طور پر انسان جانور بلکہ جانوروں سے بھی بدتر بن سکتا ہے۔ انسانوں کی اسی کیفیت کو حسب ذیل آیت میں بیان کیا گیا ہے:

"وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا ۔ أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ" (الاعراف: ۱۷۹)

ہمارے بنائے ہوئے جنوں اور انسانوں میں سے بہت سے ایسے ہیں جو جہنم کے کندے ہیں۔ ان کے دل تو ہیں مگر ان سے سوچنے سمجھنے کا کام نہیں لیتے، آنکھیں بھی ہیں مگر ان سے دیکھتے نہیں، ان کے کان بھی ہیں مگر کسی کی بات ہی نہیں سنتے۔ ایسے لوگ بالکل جانور ہیں بلکہ ان سے بھی بدتر"

جن سرکش اسرائیلیوں کے متعلق مذکورہ بالا آیت میں کہا گیا ہے کہ "ذلیل بندر بن جاؤ" سو وہ ایک خدائی عذاب کی طرف اشارہ ہے جس کی وجہ سے ان کی صورتیں مسخ ہو گئی تھیں۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ بندر بن گئے تھے اور پھر ان سے کوئی نسل چلی تھی۔ واقعہ صرف یہ تھا کہ پہلے تو وہ بندروں کے ہم شل بن گئے، پھر اس کے بعد تباہ و برباد ہو گئے۔ یہ تو نبی کریمؐ کا فیضان ہے کہ عہد نبوی کے بعد سے قیامت تک کے لیے مسخ صورت کا عذاب اٹھا لیا گیا ہے۔ اب انسان ذہنی طور پر بدترین جانوروں سے مشابہت پیدا کر سکتا ہے لیکن یہ ممکن نہیں کہ وہ واقعی جانوروں جیسا بن جائے۔

جب حضرت آدمؑ کی توبہ قبول ہو گئی تو وہ ھبوط کے بعد زمین پر خلیفہ مقرر ہوئے۔ ان کی اور اولاد آدمؑ کی اس بزرگی کی طرف قرآن حکیم کی حسب ذیل آیت میں بھی

؎۱ یہ یاد رہنا چاہیے کہ یہاں حرف (ک) ذہنی منزل کی نشاندہی کرتا ہے۔ لیکن کو نو اقرۃ خاسئین میں ایسا کوئی قرینہ نہیں۔ صرف ذہنی تبدیلی فلاسفہ کا مذہب ہے۔ علماء کا مذہب یہ ہے کہ وہ فی الواقعہ بندر بن گئے تھے لیکن تین دن کے بعد ان کی یہ نسل تباہ ہو گئی تھی۔ (کیلانی)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اشارہ ہے :

۱۔ "وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْ آدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا" (الاسراء : ۷۰)

"اور ہم نے بلاشبہ بنی آدم کو عزت بخشی، اور ان کو خشکی اور تری میں مختلف سواریاں دیں اور پاکیزہ روزی عطا کی، اور اپنی بہت سی مخلوقات پر فضیلت بخشی"

۲۔ "يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً" (النساء : ۱)

"اے لوگو اللہ سے ڈرو جس نے تمہیں ایک نفس سے پیدا کیا ہے اور پھر اس کی جنس سے اس کا جوڑا بنایا، پھر ان دونوں سے بہت مرد اور عورتیں پیدا کر کے زمین پر پھیلا دیا"

اس آیت سے بھی نظریہ ارتقاء کا استشہاد کیا گیا ہے۔ یہ درست نہیں کیونکہ یہ آیت آدمؑ وحوا کی جنت کی زندگی اور دنیاوی زندگی دونوں سے متعلق ہے۔ اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ مادی دنیا میں ہبوط وارتقاء کے بعد اس کی وجہ سے نسل آدم کا نشو ونما ہوا ہے لیکن یہ کسی طرح بھی ارتقائے انسانی سے متعلق نہیں۔ اس میں تو صرف یہ بتایا گیا ہے کہ اس دنیا میں حضرت آدمؑ کے وجود میں آنے کے بعد کس طرح کثیر تعداد میں انسان پیدا ہوئے۔ پرویز صاحب کا یہ کہنا درست نہیں کہ نفس واحد سے مراد حضرت آدم نہیں بلکہ پہلا جرثومۂ حیات ہے جو اپنی نشو ونما کے ہر مرحلہ پر کٹ کر دو حصوں میں بٹتا جاتا ہے مختلف انواع کا ارتقاء کس طرح ہوا ہے؟ اس کا ذکر مولانا روم نے وضاحت کے ساتھ کیا ہے۔

۳۔ "اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ، خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ" (العلق : ۲)

"اپنے پروردگار کے نام سے پڑھیے جس نے کائنات کو پیدا کیا، جس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے بنایا"

پرویز صاحب اس کو بھی ارتقائے فلسفہ سمجھتے ہیں۔ انہوں نے اس آیت میں "علق" کا ترجمہ "جمے ہوئے خون" کی بجائے "جونک" سے کیا ہے اور بتایا ہے کہ یہ بھی راہ ارتقاء کا ایک زینہ ہے۔ یوں قرآنی آیات سے کھینچ تان کر اپنے مفید مطلب تاویل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرنا ہے۔ قرآن حکیم میں جہاں کہیں بھی علق کا لفظ استعمال ہوا ہے وہاں "جمے ہوئے خون" ہی سے مراد ہے جو رحم مادر میں انسانی بچہ کے نشوونما کا ایک مرحلہ ہے۔ اس کا ارتقائے انسانی سے کوئی تعلق نہیں۔

پوچھا جا سکتا ہے کہ افراد و انواع کا اس قدر طویل مدت میں ارتقاء ہوا ہے تو پھر قرآن حکیم میں کس لیے کہا گیا ہے کہ دنیا کی تخلیق چھ دن میں ہوئی تھی؟ ایسے حضرات ممکن ہے یہ خیال کرتے ہوں کہ یہ چھ دن ہمارے روزمرہ کے شب و روز سے متعلق ہیں۔ اگر طویل ادوار زمانی کے تصور کو فراموش کر دیا جائے تو خیال کیا جا سکتا ہے کہ یہ چھ دن کی مدت بھی بہت زیادہ ہے۔ پوچھا جا سکتا ہے۔ کہ کیا خداوند کریم اس بات پر قادر نہیں تھا کہ لفظ کُن کہہ کر ایک لحہ میں دنیا کو پیدا کر سکتا؟ مولانا روم کا کہنا ہے کہ یقیناً خلاق عالم یہ کام بھی کر سکتا تھا مگر دنیا کے نشوونما اور عمل تخلیق کے لیے یہ سنت الٰہی نہیں۔ ذات باری نے اس کام کے لیے ایک معینہ مدت مقرر کر دی تھی اور وہ مدت ایسے چھ روز کی مدت نہیں جس سے ہماری روزمرہ زندگی میں سابقہ پڑتا ہے۔ آیات قرآنی میں چھ دن سے مراد چھ مختلف ادوار زمانی ہیں جس کی مجموعی مدت ہمارے شب و روز کے حساب سے ہزارہا سال ہوتی ہے۔ مولانا نے ارتقائے انسانی کو نہ ماننے والوں کے اعتراض کو حسب ذیل شعروں میں ادا کیا ہے۔

ان کا ترجمہ ہم درج

کر رہے ہیں:

"کیا حق تعالیٰ اس بات پر قادر نہیں تھا کہ لفظ کن کہہ کر افلاک کی تخلیق ایک لحظہ میں کر سکتا؟ بلاشبہ وہ اس بات پر قادر تھا۔

آخر اس کام کے لیے اس کو چھ دن کیوں درکار ہوئے اور وہ چھ دن بھی اتنے طویل کہ ان میں سے ہر دن کی طوالت ہزار سال کے برابر تھی؟"

اگر عالم مادی روح کی پیداوار ہے تو یہ سمجھنے کی کوئی وجہ نہیں کہ مادی دنیا اور بالخصوص جانداروں کی تخلیق سے تخلیق انسانی کا کوئی تعلق نہیں۔ مولانا بتاتے ہیں کہ عالم آب و گل میں حضرت آدمؑ کو ظہور میں آنے کے لیے تو اس دنیا سے بھی کہیں زیادہ عرصہ لگا تھا۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ تخلیق افلاک کے لیے ایک لحظ درکار ہوا تھا تو بھی آدمؑ کے لیے بھی ایک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہی لحظہ درکار ہوا ہوگا مگر ایسا نہیں۔ نہ تخلیق کائنات ایک لحظہ میں ہوئی اور نہ تخلیقِ آدم۔ تخلیق سے متعلق کوئی کام بھی تعجیل میں نہیں ہوا، اس سے ثابت ہے کہ تخلیق آدم کے لیے مزید ۴۰ دن کی مہلت درکار تھی اور وہ چالیس دن بھی اتنے ہی طویل تھے جتنے کہ تخلیق افلاک کے چھ ادوار زمانی۔ یہ اس لیے کہ تخلیق کا کام اور بالخصوص جانداروں میں تخلیق انسانی کا کام کچھ ایسی فن کارانہ خوبیوں کا محتاج ہے کہ اس کو رفتہ رفتہ ہی مکمل حالت میں پیش کیا جا سکتا ہے، وہ پوچھتے ہیں۔

غلقت آدمؑ چرا چہل صبح بود ؟

تخلیق آدم کے لیے ۴۰ دن کی مہلت کیوں درکار تھی ؟ یہ اس لیے کہ آب و گل کو بصورت آدم ظاہر ہونے کا کام ہی کچھ ایسا ہے کہ اس سے کم مدت میں ممکن نہیں[1]۔

اندر آں گل اندک اندک میفزود !

رفتہ رفتہ ہی گل آدم میں پختگی پیدا کی جا سکتی تھی۔

مولانا نے ارتقائے انسانی کی جو تصویر پیش کی ہے اس پر میں نے "جلال الدین رومی کا نسخہ ارتقاء" میں بڑی وضاحت کے ساتھ بحث کی ہے۔ افسوس اس کی طباعت کا ابھی انتظام نہیں ہو سکا۔

---

[1] اللہ رب العزت کے لیے کوئی بات بھی ناممکن نہیں۔ (کیلانی)

© rasailojaraid.com